

## ایشار لازم ہے اور اس کے بغیر آپ کو مزید ترقیات نصیب نہیں ہو سکتیں

**ایشار کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آپ کو غیر قوموں کے دلوں میں گھر کرنے کی توفیق بخشنے گا**

خطبہ جمعہ کا یہ متن اداۃ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے

(خطبہ جمعہ کا یہ متن اداۃ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

کروں گا اور اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں آکر جو معاشرہ قائم ہوا اور مختلف مزاج کے لوگ تھے ان کا بھی ذکر کروں گا اور یہ بھی سمجھاؤں گا کہ ان آیات سے جو پڑھی گئی ہیں یا ان روایات سے جو بیان کی جائیں گی ہرگز یہ مراد نہیں کہ انسان اپنے بنیادی مزاج کو تکلف سے بدلتے۔ اپنے مزاج کی حدود کے اندر رہتے ہوئے بھی ایک انسان آخر خصوص صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کی سنت کی پیروی کر سکتا ہے۔ اور اسی طرح اپنے مزاج کی حدود کے اندر رہتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق کا حق بھی ادا کر سکتا ہے اور مختلف مزاج کے لوگوں کی حدود مختلف ہیں، ہر مزاج کا اُوں اپنی حدود کے اندر رہتے ہوئے اور ان حدود کے اندر اسے توفیق ملے گی کہ وہ اپنے عشق کا اظہار اس نسبت سے کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو صلاحیتیں بخشی ہیں۔

سب سے پہلے میں نے جو عکسی والی حدیث ہے وہ سامنے رکھی ہے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پاپند فرماتے تھے۔ الادب المفرد للبخاری میں مجاہدین کرتے ہیں کہ آخر خصوص صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اس امر کو پاپند فرماتے تھے کہ کوئی اپنے بھائی کو عکسی باندھ کر دیکھتا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے یہ عکسی باندھنے کا مضمون صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ بعض لوگوں کو عادات ہوتی ہے وہ دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہتے ہیں اور یہ گھورنے کی عادت نہیں میوب ہے۔ آخر خصوص صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اس عادت سے سخت کراہت فرماتے تھے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں، ”عکسی باندھ کر دیکھتا ہے اور جب وہ اس کے پاس سے جائے تو اس کی نظر میں اس کا پیچھا کرتی رہیں۔“ یہ مضمون ہے جو میرے اس خطبے پر حاوی رہے گا۔ اور جو وقت بچے گا اس میں میں انشاء اللہ یعنی ایسے امور سے تعلق رکھنے والے امور بیان کروں گا۔

حضرت ابن شمسہ المھری بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن العاص کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ وہ نزع کی حالت میں تھے۔ یہ میں نے روایت کی دفعہ بیان کی ہے مگر یہ بہت ہی پیاری روایت، ان معنوں میں کہ ایک صحابی کی مختلف حالوں کا ذکر ہے اور ایک صحابی کے عشق کے اندراز کا ذکر ہے جو باتی سکتی۔ مگر کچھ نہ پہنچ دوڑجے درجہ بردار جس میں اسے دوسرا سے دوسرے بھی حصہ پاتے ہیں اور ہمارے زمانے میں سب سے زیادہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پایا کونکہ اس دور میں آپؐ ہی نے آخر خصوص صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی نیابت کا حق ادا کیا۔ یہ اس مضمون کی اہمیت ہے جس کے پیش نظر میں اب مزید تفصیل بیان کرتا ہوں۔

میں نے گزشتہ خطبے میں یہ عرض کیا تھا کہ بعض لوگ عکسی لٹا کے مجھے دیکھتے ہیں یعنی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، جو میرے لئے بھن کا موجب بنتا ہے۔ پس دیکھیں اور دیکھنابات کرتے وقت ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ آنکھوں میں عکسی لٹا کر اس طرح دیکھا جائے گویا انسان اندر تک اتر رہا ہے۔ یہ صرف چند لوگوں کو عادات ہوتی ہے اور انہی کے پیش نظر میں نے اس خطبے میں یہ ذکر کیا تھا۔ مگر بعد میں جب میں نے دیکھا تو عجیب حال پایا۔ تمام وہ خاصیں جو بھی شے سے اعتدال اختیار کیا کرتے ہیں ان سب بے چاروں کی آنکھیں صرف خواہش تھیں کہ بس چلے تو میں اس کو قتل کر دوں۔ کہتے ہیں اگر اس حالت میں میں مر جاتا تو یقیناً جنمیوں میں سے ہوتا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو میرے دل میں ڈال دیا تو میں آخر خصوص صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہاتھ بڑھائیے میں آپؐ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانے میں جو معاشرہ قائم تھا اور اس میں ہر قسم کی طبیعت کے لوگ تھے ان کا بھی ذکر

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله۔

أما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم - بسم الله الرحمن الرحيم -

الحمد لله رب العالمين - الرحمن الرحيم - ملك يوم الدين - إياك نعبد وإياك نسعي -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين -  
فَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَنْقِيدُوا أَيْمَانَ يَنْدَى إِلَيْهِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَأَئْقَوْا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلَيْهِمْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرٍ بَعْضُكُمْ يَعْضُضُ أَنْ تَجْهِطَ أَعْمَالَكُمْ وَآتُمْ لَا تَتَغَرَّبُونَ۔ (سورة الحجرات آیات ۳، ۲)

یہ وہ مضمون ہے جس میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا مخصوصیت سے ایک ایسے رسول کے طور پر ذکر کیا گیا ہے جس کا احترام دنیا کے ہر انسان سے زیادہ ہوتا چاہے۔ اور اسی تعلق میں مختصر اذکر میں نے اپنے ایک گزشتہ خطبے میں لائز میں کیا تھا۔ لیکن وہ مضمون کچھ ادھورا رہا اور کچھ غلط فہیاں بھی اس کے تینجی میں پیدا ہوئے ہیں جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے انگلستان میں توبار باریہ اعلان کروائے کہ جو میرا مطلب آپؐ سمجھے ہیں وہ درست نہیں، اصل مطلب اور ہے۔ اور وہ جو مطلب ہے اس کا اطلاق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر نہیں بلکہ آپؐ کی سنت کے پیش نظر ہر دوسرے ایسے انسان سے بھی تعلق رکھتا ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی جانبے دور کی نیابت ہو، مگر نیابت میں امام بتایا گیا ہو۔

اور اسی طرح اس مضمون کا تعلق میں سمجھتا ہوں درجہ بدرجہ ان تمام ائمہ سے بھی ہے جو مساجد میں آخر خصوص صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے امامت کرتے ہیں اور گمراہ کے بیویوں سے بھی تعلق ہے۔ تو یہ مضمون سلسلہ وار آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ سارے التراتبات آخر خصوص صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے بعد دوسروں کے لئے بعینہ اس طرح نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو جو امتیاز بخشنا گیا ہے وہ اپنی جگہ ایک ایسا انتیاز ہے جس میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ مگر کچھ نہ پہنچ دوڑجے درجہ بردار جس میں اسے دوسرے بھی حصہ پاتے ہیں اور ہمارے زمانے میں سب سے زیادہ حصہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پایا کونکہ اس دور میں آپؐ ہی نے آخر خصوص صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی نیابت کا حق ادا کیا۔ یہ اس مضمون کی اہمیت ہے جس کے پیش نظر میں اب مزید تفصیل بیان کرتا ہوں۔

میں نے گزشتہ خطبے میں یہ عرض کیا تھا کہ بعض لوگ عکسی لٹا کے مجھے دیکھتے ہیں یعنی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، جو میرے لئے بھن کا موجب بنتا ہے۔ پس دیکھیں اور دیکھنابات کرتے وقت ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ آنکھوں میں عکسی لٹا کر اس طرح دیکھا جائے گویا انسان اندر تک اتر رہا ہے۔ یہ صرف چند لوگوں کو عادات ہوتی ہے اور انہی کے پیش نظر میں نے اس خطبے میں یہ ذکر کیا تھا۔ مگر بعد میں جب میں نے دیکھا تو عجیب حال پایا۔ تمام وہ خاصیں جو بھی شے سے اعتدال اختیار کیا کرتے ہیں ان سب بے چاروں کی آنکھیں دیکھتے تھے جاتے دیکھتے تھے اور متوجہ یہ نکلا کہ میں حیران رہ گیا یہ کیا ہو رہا ہے۔ بعد میں مجھے سمجھ کر جنمیوں میں کیا کہ جرمی کی کہ دراصل اس خطبے کا غلط تاثر قائم کیا گیا ہے اور میں نے مناسب سمجھا اور ان سے وعدہ بھی کیا کہ جرمی کی جماعت میں جا کر اس مضمون کے دوسرے پہلو بھی بیان کروں کا اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانے میں جو معاشرہ قائم تھا اور اس میں ہر قسم کی طبیعت کے لوگ تھے ان کا بھی ذکر

بھی انداز ہوا کرتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق سچا بھی نہیں جانتا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، آنکھی لگا کر، گھورتے ہوئے دیکھیں۔ یہ ناممکن ہے۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ آپ کی نظریں آپ کے چرے پر نہ پڑیں۔ اس لئے ان دونوں باتوں کے درمیان اعتدال کی ضرورت ہے اور سب لوگ اپنی عادتوں میں یہ اعتدال پیدا کریں۔

اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کی روایات چونکہ ہمارے قریب کی روایات ہیں اور تحریروں میں بھی محفوظ ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانے میں جو آداب ہوا کرتے تھے اور جس طرح مختلف صحابہ اپنے اپنے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ان میں یہ بھی ایک رنگ تھا کہ بعض صحابہ سوال کیا کرتے تھے، ضروری نہیں بدبوی ہو۔ چنانچہ کثرت سے روایات ملتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانے کی عادت رکھتے تھے اور اس بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے کبھی ناپسند نہیں فرمایا بلکہ بعض موقعوں پر آپ نے پوچھا اور بار بار پوچھا کہ خاموش بیٹھے ہو مجھ سے کوئی سوال کرو۔ پس یہ تصور قائم کرنا درست نہیں کہ صرف بدبویوں پر لوگ بیٹھے رہتے تھے کہ وہ آئیں تو سوال کریں۔ سوال کرنے کی عادت تھی بعض لوگوں کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی خدمت سے زیادہ سوال نہ کیا کرو کیونکہ ہو سکتا ہے بعض سوالوں کے جواب میں تم پر تنگی عائد ہو جائے۔

اب یہی رنگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ میں ملتا ہے۔ ہر ایک اپنے مزاج کے مطابق اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ وہ صحابہ نمونے کے طور پر میں نے پڑھتے ہیں۔ ایک حضرت حکیم نور الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپ اور حضرت مولوی عبد الکریم صاحب دونوں کے مسیح موعود سے عشق میں کوئی بھی شک نہیں، رنگ اپنا پنا تھا، مزاج الگ الگ تھے۔ چنانچہ حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب ہلال پوری ہیان کرتے ہیں کہ حضرت مولوی صاحب یعنی حکیم مولوی نور الدین اور حضرت مولوی عبد الکریم صاحب اپنے اپنے رنگ میں اخلاص اور محبت کے پتلے تھے لیکن دونوں کی طبائع میں نمایاں فرق تھا۔ حضرت مولوی حکیم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے تو حضور کی مجلس میں سب سے آخر خاموشی کے ساتھ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ یعنی بعض دفعہ وہاں جگہ ملتی جماں جو تیاں پڑی ہوتی تھیں۔ اور ایک صوبہ سرحد کے صحابی کو اس بناء پر خلافت سے واپسی کی توفیق ملی کہ وہ ہیان کرتے ہیں کہ جب میں نے حضرت نور الدین کو دیکھا کہ وہ خلیفہ بن رہے ہیں تو بے اختیار میرے منہ سے نکلا کہ اس شخص نے تجویزوں سے خلافت پالی۔ پس ایک رنگ یہ بھی تھا اکساری کا کہ جو تیوں میں بیٹھے رہتے اور اسی اکساری کو خدا نے قبول فرمایا اور انہی جو تیوں سے آپ کو خلافت مل گئی اور خلافت بھی وہ جو صدقیت کا مقام رکھتی تھی۔

لیکن حضرت مولوی عبد الکریم صاحب ہمیشہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بیٹھا کرتے تھے اور سوالات کرنے سے کبھی بچکھاتے نہیں تھے۔ اب یہ دونوں صحابہ ہیں جن کے عشق کی گواہی خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے۔ اس لئے اس سے انکار ممکن ہی نہیں۔ بلکہ مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کے مامور دنیا میں روز رو ز نہیں آتے، صدیوں بعد خوش قسمت لوگوں کو ان کی زیارت فضیب ہوتی ہے اس لئے جو سوال ذہن میں آئیں وہ پیش کر کے دنیا کی رو جانی تنگی بجا نے کا سامان پیدا کر لینا چاہئے۔ اب دیکھیں محبت کے تقاضے بدلتے بھی نہیں مگر دونوں جگہ تکلف نہیں تھا۔ یہ بیماری بات ہے جسے آپ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اگر تکلف سے ادب کریں گے تو وہ ادب نہیں ہو گا، وہ محض تکلف اور بناوٹ ہو گی۔ اگر واقعہ اس مزاج کے مطابق جو اللہ نے آپ کو بخشائے اسی مزاج کی حدود میں رہتے ہوئے آپ محبت کریں گے تو یہ تکلف اور بناوٹ نہیں بلکہ طبعاً ایک محبت ہو گی۔ اور اس کا ہر رنگ اچھا ہو گا اگر سنت صحابہ کو آپ پیش نظر رکھیں۔

ایک ذکر حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ملتا ہے۔ مجلس میں حضور کے بہت زیادہ قریب بیٹھتے اور آنکھی لگا کر چرہ مبارک کو دیکھتے اور پاؤں یا بازو یا کسر وغیرہ دباتے، درود استغفار پڑھتے رہتے۔ اب بعض لوگ اس روایت کا غلط مطلب سمجھتے ہیں۔ یہاں ہرگز یہ نہیں کہا گیا کہ آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آنکھی لگا کر دیکھتے تھے۔ چرے کو دیکھتے تھے اور چرہ کو دیکھنا ایک الگ مضمون ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ نظروں میں نظریں گاڑ کر دیکھتے تھے۔ حضور کوئی تقریر تقویٰ، طمارت کے متعلق فرماتے تو آپ کا یہ اہن آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا۔

پس دیکھنے کے متعلق یہ بات پیش نظر رکھیں کہ غالب کا ایک شر جو مجھے بہت پسند ہے اور وہ اس مضمون کو بہت عمدگی سے بیان کر رہا ہے وہ یہ ہے۔

نظرے نے بھی کام کیا اس نتیجے کا

چاہتا ہوں۔ فرمایا کیا وعدہ لینا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کیا یہ کہ میرے گناہ بخش دئے جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام لانے کے بعد اس سے پہلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہجرت اور حجج کے بعد بھی ان سے پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس وقت میری نظر میں آنحضرت ﷺ سے زیادہ محبوب اور زیادہ معزز کوئی اور شخص نہ تھا لیکن آپ تکی عظمت اور رعب کی وجہ سے آنکھ بھر کر آپ کو دیکھنے سکتا تھا۔ اگر مجھ سے حضور انور کے حیله مبارک کے بارے میں پوچھا جائے تو میں بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں نظر بھر کر آپ کو کبھی نہیں دیکھ سکا۔ اگر میں اسی حالت میں فوت ہو جاتا تھیں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں جبکہ میرے عشق کا یہ عالم تھا تو مجھے امید تھی کہ میں جنتیوں میں سے ہوتا۔

اب یہ وجہ ہے۔ جب نزع کی حالت میں آپ نے منہ پھیرا اور روتے رہے آپ کو اپنے انعام کی یہ فکر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام سے عداوت اور بغض کی حالت سے توانا لیا اور مجھ سے وعدہ بھی ہوا کہ جو اس حالت سے نکل جائے اس سے بخشش کا سلوک ہو گا۔ اگر میں اس زمانے میں مر جاتا تو اچھا تھا۔ میں صدمہ تھا جو آپ کو نہ ہوا کہ جارہا تھا اور نزع کی حالت کے بیکھیات تھے جو آپ کو تونگ کر رہے تھے۔ ایک اور روایت سنن ابی راوی سے لی گئی ہے۔ اسامہ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو۔ اب یہ ایک نظارہ جو اسامہ نے دیکھا کہ صحابہ کی اس وقت کی حالت ہوا کرتی تھی جب حضور اکرم آپ میں تشریف فرماتے تھے۔ صحابہ یوں ساکت بیٹھے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہوں۔ یعنی جیسے سر پر پرندہ ہو اور بولنے سے اڑنے کا خطرہ ہوتا ہے انسان حرکت بھی نہیں کرتا، اسی طرح صحابہ ساکت و صامت بیٹھے تھے۔ چنانچہ میں نے سلام عرض کیا پھر بیٹھے گیا۔ ادھر ادھر سے بدبوی لوگ مجلس میں آنے لگے۔ انہوں نے کمیار سول اللہ کیا ہم دوائیوں کا استعمال کیا کریں۔ اس پر فرمایا دوائیاں ضرور استعمال کیا کرو کیونکہ اللہ عنہ جمل نے کوئی بیماری نہیں بیانی گرا اس کا اعلان بھی پیدا فرمایا ہے سوائے ایک بیماری کے جو بڑھا پا ہے، وہ مقدر ہے۔ ہر شخص کو آخر بڑھا پا پہنچتا ہے اور اسی حالت میں جو اس سے مختلف امکانی سلوک ہو سکتے ہیں ان کا قرآن کریم میں تفصیل سے ذکر ہے۔ مگر بڑھا پے سے کوئی انسان بیٹھ نہیں سکتا۔ اگر جو ای کی عمر سے گزرے گا تو بڑھا پے کی عمر ضرور دیکھے گا۔ فرمایا اس کا کوئی علاج نہیں باقی سب چیزوں کا اعلان ہے۔ اس بناء پر بعض صحابہ نے یہ بھی خواہش کی کہ ہم تو خاموش بیٹھے رہیں مگر ہماری موجودگی میں کوئی بدبوی آجائے اور وہ سوال کرے اور اس رنگ میں ہماری تربیت ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ کا چہرہ دیکھ کر جو صحابہ پہچانتے تھے کہ یہ بھوٹ کا چہرہ نہیں ہو سکتا ان میں حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی تو تھے۔ پس یہ خیال کرنا کہ چہرہ دیکھنا گویا منوع تھا یہ درست نہیں ہے۔ چہرہ دیکھنے کا

ایک ذکر حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ملتا ہے۔ میں نے عرض کیا ہے کہ میرے گھر کے پاس بیٹھا کرتے تھے اور سوالات کرنے سے کبھی بچکھاتے نہیں تھے۔ اب یہ دونوں صحابہ ہیں جن کے عشق کی گواہی خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے۔ اس لئے اس سے انکار ممکن ہی نہیں۔ بلکہ مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کے مامور دنیا میں روز رو ز نہیں آتے، صدیوں بعد خوش قسمت لوگوں کو ان کی زیارت فضیب ہوتی ہے اس لئے جو سوال ذہن میں آئیں وہ پیش کر کے دنیا کی رو جانی تنگی بجا نے کا سامان پیدا کر لینا چاہئے۔ اب دیکھیں محبت کے تقاضے بدلتے بھی نہیں مگر دونوں جگہ تکلف نہیں تھا۔ یہ بیماری بات ہے جسے آپ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اگر تکلف سے ادب کریں گے تو وہ ادب نہیں ہو گا، وہ محض تکلف اور بناوٹ ہو گی۔ اگر واقعہ اس مزاج کے مطابق جو اللہ نے آپ کو بخشائے اسی مزاج کی حدود میں رہتے ہوئے آپ محبت کریں گے تو یہ تکلف اور بناوٹ نہیں بلکہ طبعاً ایک محبت ہو گی۔ اور اس کا ہر رنگ اچھا ہو گا اگر سنت صحابہ کو آپ پیش نظر رکھیں۔

ایک ذکر حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ملتا ہے۔ مجلس میں حضور کے بہت زیادہ قریب بیٹھتے اور آنکھی لگا کر چرہ مبارک کو دیکھتے اور پاؤں یا بازو یا کسر وغیرہ دباتے، درود استغفار پڑھتے رہتے۔ اب بعض لوگ اس روایت کا غلط مطلب سمجھتے ہیں۔ یہاں ہرگز یہ نہیں کہ آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آنکھی لگا کر دیکھتے تھے۔ چرے کو دیکھتے تھے اور چرہ کو دیکھنا ایک الگ مضمون ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ نظروں میں نظریں گاڑ کر دیکھتے تھے۔ حضور کوئی تقریر تقویٰ، طمارت کے متعلق فرماتے تو آپ کا یہ اہن آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا۔

پس دیکھنے کے متعلق یہ بات پیش نظر رکھیں کہ غالب کا ایک شر جو مجھے بہت پسند ہے اور وہ اس مضمون کو بہت عمدگی سے بیان کر رہا ہے وہ یہ ہے۔

نظرے نے بھی کام کیا اس نتیجے کا

پس صحابہ کی نگاہیں حضرت اقدس مصلح موعودؒ ایک ایسی مجلس کی بات کرتے ہیں جو چند آدمیوں کی مجلس ہوا کرتی تھی اور بعضیہ اور اس سے آنحضرتؒ نے کبھی منع نہیں فرمایا اور یہی حال حضرتؒ مسح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کا مقام۔ چنانچہ مرزا ایوب بیگ صاحبزادہ سرے جن صحابہ کے ذکر میں آپ یہ بات پائیں گے وہ دیکھتے تو تھے مگر ایسے کہ دیکھتے بھی نہ ہوں۔ یعنی نہ کہیں ہر طرف پھیل جاتی تھیں، مکفر جاتی تھیں اور بھی ان صحابہ نے جو اسی کے حضرتؒ مسح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر دیکھیں۔ ہال یہ انداز تھا کہ دیکھ رہے ہیں، نظر ملتے ہی دوسرا طرف رخ کر لیاں آنکھ پھیر لی تاکہ گستاخی نہ بنے۔

”جانے والے جانتے ہیں۔“ یہ لکھتے ہیں مصلح موعودؒ کہ ”خواہ مجھے تکلیف بھی ہوتی تھریہ جرأت نہ کرتا اور نہ اوپر جو آواز سے کلام کرتا۔“ تو اس میں، حضرت مصلح موعودؒ کی اس بات میں بہت بڑی فصیحت ہے ساری جماعت کے لئے اور اس سے حضرت مولوی شیر علی صاحبؒ کے اوپر بھی ایک بہت اچھی روشنی پڑتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں ”جانے والے جانتے ہیں۔“ ان جانے والوں میں میں نے ایک حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت دیکھی ہے اور روایتیں ہو گئی تو میرے علم میں نہیں۔

اب اس مضمون سے ہٹ کر ایک اور مضمون بیان کرتا ہوں جو آپ کے جلسہ کی مناسبت سے بیان کیا جاتا ضروری ہے اور وہ ایثار کا مضمون ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِينَ تَبَوَّأُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُجْوِنُونَ مِنْ هَاجِرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مَمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى الْفَسِيلِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةً وَمَنْ يُوقَ شَعْنَفِيهِ فَأَوْلَئِكَ هُمُ الْمُقْلِحُونَ۔ ایثار کا مضمون توبت و سعی ہے اور کئی قسم کی قربانیوں پر یہ مضمون پھیلا ہوا ہے لیکن آج اس خطاب میں یہ ایثار کا صرف وہ حصہ بیان کروں گا جو جماعت احمدیہ جرمنی کے اس جلسہ سالانہ سے تعلق رکھتا ہے۔

سب سے پہلے تو میں اس بات پر آپ کو خوبخبری دیتا ہوں اور مبارک باد دیتا ہوں کہ میں نے جماعت جرمنی میں اس پہلو سے بہت ایثار پیا ہے، اتنا کہ کی اور جماعت میں ایثار ہو توہ لازماً خدا تعالیٰ کا شکر گزار ہو کہ اس نے ایثار کا حق ادا کرنے کی توفیق بخشتی۔ ایثار کے جتنے پہلو ہیں ان میں سے ایک دو پہلو جو جلسے سے تعلق رکھتے ہیں وہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ سب سے پہلے یہ کہ اپنے وقت کو قربان کرنا ایثار ہے، اپنے مال کو قربان کرنا ایثار ہے، اپنی سو لوتوں کو دوسرا سے کی خاطر قربان کر دینا یہ بھی ایثار ہے۔ اور اس جرمنی کے جلسے میں ہمیں ایثار کے یہ تینوں پہلو ہر طرف دکھائی دے رہے ہیں۔

باہر سے آنے والے مہمانوں کا جس اہتمام کے ساتھ جماعت جرمنی کو خیال رکھنے کی توفیق ملتی ہے کہم ہی آپ کو یہ نظارے دوسرا جماعتیں میں دکھائی دیں گے۔ ضرور ایسی جماعتیں ہیں جن میں ایثار کے سی جذبے کام کرتے ہیں، بعض پہلوؤں سے شاید زیادہ بھی ہوں لیکن یہ بات جرمنی میں جس کثرت سے پھیلی ہوئی ہے اس کو دیکھ کر حرمت ہوتی ہے۔ ایک تنا آپ دنیا میں وہ جماعت ہیں جہاں میں ہزار سے زائد، کم سے کم میر انداز ہے، میں ہزار سے زائد افراد مرد و عورتیں اور بچے جرمنی کے جلسے کے دنوں میں مسلسل ایثار سے کام لے رہے ہوتے ہیں۔ بعض ماذن کو اپنے پہلو کی ہوش میں رہتی اور بچے بھی اس وجہ سے صبر کرتے ہیں کہ دن ہیں اور انہیں یہ تکلیف ساتھ اٹھانی چاہئے تو اگر پہلو کو بھی شامل کر لیا جائے تو تیس ہزار بھی کم ہو گا اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ میں سے خدا تعالیٰ تیس ہزار افراد کو مختلف پہلوؤں سے ایثار کی توفیق بخشتے ہے۔

ایثار کے تعلق میں چند باتیں میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ ایثار ایک طبعی حالت کامن ہے اور وقتی ضرورت کا نام نہیں ہے۔ سچا ایثار جو قائم رہتا ہے، باقی رہتا ہے اور ہمیشہ آپ کو خدا کے قریب کر سکتا ہے اور کرتا رہتا ہے وہ طبیعت اور مزاج میں مٹی ہونا ہے۔ اگر مزاج مٹی ہو پچھا ہو، اگر طبیعت میں تکبر کا کوئی شاہرہ تک باقی نہ رہے تو ایسے انسان کا ایثار ایک دائیٰ ایثار ہو جاتا ہے لیکن اس کے اظہار پھر اس کی دوسرا زندگی میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ صرف جلسے کے موقعوں پر مہمانوں کے تعلق میں نہیں بلکہ روزمرہ کے ہر انسانی سلوک میں یہ ایثار کا اظہار ہوتا ہے۔ آج کل میں جانتا ہوں بعض لوگوں نے اپنے گھر کی یہ خالی کردئے ہیں تاکہ وہ مہمان جو پسند نہیں کرتے کہ ان کے ساتھ ان کے گھروں میں دوسرے لوگ بھی ٹھرے ہوں ان کو پوری طرح بے تکلفی میسر ہو اور آرام سے وہ جتنے دن چاہیں، جس طرح چاہیں ان کے گھر کی چیزیں استعمال کریں۔ ایسے گھر کثرت سے میرے علم میں ہیں۔

لیکن جو ایثار میں بتا رہا ہوں، جس کی میں بات کر رہا ہوں وہ مزاج کا وہ انسار ہے جو باقی رہنا چاہئے اور ساری زندگی اس کو آپ کا ساتھ دینا چاہئے۔ اس ایثار کے نتیجے میں جب بھی کوئی مہمان آئے خواہ وہ جلسے کا موقع ہو یا کوئی اور موقع ہو اس کے ساتھ میر بانی کے ادب اختیار کرنا، محبت و بنشاشت سے اس کے ساتھ پیش آنا اور مہمان نوازی کے لئے جو رسول اللہ ﷺ نے مدت مقرر فرمائی ہے اس مدت کے اندر اس کی مہمان نوازی کے سارے تقاضے پورے کرنا یہ طبعی خوشی سے ہونا چاہئے، یہ تکلف سے نہیں ہونا چاہئے۔ اور اگر یہ

پس صحابہ کی نگاہیں حضرت اقدس مصلح موعودؒ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آللہ وسلم پر مستی سے بکھر جایا کرتی تھیں۔ اور اس سے آنحضرتؒ نے کبھی منع نہیں فرمایا اور یہی حال حضرتؒ مسح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کا مقام۔ چنانچہ مرزا ایوب بیگ صاحبزادہ سرے جن صحابہ کے ذکر میں آپ یہ بات پائیں گے وہ دیکھتے تو تھے مگر ایسے کہ دیکھتے بھی نہ ہوں۔ یعنی نہ کہیں ہر طرف پھیل جاتی تھیں، مکفر جاتی تھیں اور بھی ان صحابہ نے جو اسی کے حضرتؒ مسح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر دیکھیں۔ ہال یہ انداز تھا کہ دیکھ رہے ہیں، نظر ملتے ہی دوسرا طرف رخ کر لیاں آنکھ پھیر لی تاکہ گستاخی نہ بنے۔

پس باہوں بات کرنے والا آنکھوں میں بھی دیکھا ہے مگر دیکھنے کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔ اگر دیکھ رہا ہو اور بات کرنے والے کی نظر پڑ جائے تو اس وقت ہمہک سے آنکھ ذرا سی اوہڑا ہر ہو جائی چاہئے۔ اور بعض لوگوں کا دیکھنے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ وہ دونوں آنکھوں کے درمیان ماٹھے کے اوپر نظر رکھتے ہیں۔

ہمارے ایک مر جنم ماموں سید محمود اللہ شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کا یہی انداز ہوا کرتا۔ حضرتؒ مصلح موعودؒ سے کبھی ملنے آتے تو ہمیشہ اسی طرح دیکھتے تھے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا کوئی سوال

شیں تھا اور دل کی پیاس بھی بھج جاتی تھی کہ پورا چرہ غور سے دیکھوں۔ چنانچہ ایک دو دفعہ میں نے محسوس کیا کہ مجھے بھی اس طرح دیکھ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے آپ کی نگاہیں میرے اوپر ہوتی ہیں مگر ملئی نیں تو توب مجھے انہوں نے یہ راز سمجھایا کہ میں نے یہ ایک اپنے لئے ترکیب بنائی ہوئی ہے کہ ماٹھے کے اوپر دو آنکھوں کے درمیان اس جگہ دیکھتا ہوں تو دیکھنے والے کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ مجھے دیکھ نہیں رہا اور میری نظریں بھی ادب کی وجہ سے آنکھوں میں آنکھیں نہیں ڈالتیں۔ تو یہ بھی ایک انداز ہے جو حضرتؒ مسح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی جو عمر میں حضرتؒ مسح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت چھوٹے تھے مگر پھر بھی اتنے چھوٹے نہیں تھے کیونکہ میری والدہ سے عمر میں بڑے تھے لور میری والدہ کی بھی حضرتؒ مسح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں آپ کے ایک بچے سے شادی ہوئی۔ پس وجہ سے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی صحابہ ہی کارنگ ہے جو حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔

حضرتؒ مصلح موعودؒ اسی مجلس میں حضرتؒ مسح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک دیگر تھا جو سمجھا یا کہ ایک دلچسپ واقعہ ہے جو میں نے آپ کے لئے چنان ہے۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ خلافت اولیٰ کے زمانے میں میں نے دیکھا کہ جو ادرا اور جو اطاعت و فرمادراری آپ (یعنی حضرتؒ مصلح موعودؒ) حضرتؒ مصلح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کرتے تھے اس کا نامہ کوئی نہیں پڑا۔ حضرتؒ مصلح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق میں آپ کے لئے چنان ہے کہ خلافت اولیٰ کے زمانے میں میں نے دیکھا کہ جو ادرا اور جو اطاعت و فرمادراری آپ کے لئے چنان ہے کہ خلافت اولیٰ کے زمانے میں آپ کے ایک بچے سے شادی ہوئی۔ پس وجہ سے

حضرتؒ مصلح موعودؒ کی ایک دلچسپی ہے جو میں نے آپ کے لئے چنان ہے کہ خلافت اولیٰ کے زمانے میں آپ کے ایک بچے سے باخبر رہتے تھے اور بھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ ماحول میں جو باتیں ہو رہی ہوں ان سے بے خبر رہیں پر نظریں گاڑ کریں ہوں۔ دیکھتے تھے ہلکی نظر سے پھر نظریں جھکا لیا کرتے تھے۔ میں نے بھی مولوی صاحب کے ساتھ کھڑے ہو کر بہت نمازیں پڑھی ہیں۔ کئی دفعہ احمدیہ ہو ٹھل کی مسجد میں آپ نے نماز پڑھنی شروع کی کیونکہ قرآن کریم کے انگریزی ترجمے کے سلسلے میں آپ کو لاہور چند میسینے ٹھہرنا پڑا تھا تو روزانہ صبح جارے ہو ٹھل کی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے اور مجھے یہ توفیق مل گئی کہ میں آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا۔ اس وقت میں نے آپ کو دیکھا کہ نماز کے بعد جب مجلس لگا کے بیٹھتے تھے تو تمام گرو دوپیش کی خبر ہوتی تھی مگر عادتاً آپ کی فطرت میں یہ بات تھی کہ اکثر آنکھیں جھکائے رکھتے تھے۔ تو آپ کی گواہی حضرتؒ مصلح موعودؒ کے متعلق میری اس گواہی کی تائید کرتی ہے کہ حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر سے کوئی اہم بات نہیں رہتی تھی اور کسی اور کسی نے حضرتؒ مصلح موعودؒ کی مجلس میں اس گھری نظر سے حضرتؒ مصلح موعودؒ کو نہیں دیکھا جس طرح حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی ایک کیتا رہا۔ دوسری باتیں کی تائید میں حضرتؒ مصلح موعودؒ کے متعلق میری اس گواہی کی تحریر بھی ہے۔ آپ کی روایت جاری ہے۔ وہ فرماتے ہیں آپ کے ادب کا یہ حال تھا کہ جب حضرتؒ مصلح موعودؒ کی خدمت میں جاتے تو آپ دو زانو ہو کر بیٹھ جاتے اور جتنا وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتے اسی طرح دو زانو ہی میٹھے رہتے۔ میں نے یہ بات کی اور میں دیکھی۔ (تاریخ احمدیت جلد ۲ صفحہ ۶۳۶)

حضرتؒ مصلح موعودؒ کا پابیان بعینہ اس کی تائید کرتا ہے۔ منصب خلافت صفحہ ۱۳۵ ایڈ یشن اول میں عبارت درج ہے، ”پہلے تو میں ان سے بے تکلف تھا۔“ یعنی حضرتؒ مصلح موعودؒ اسی طرف رخ کر رہا ہے۔ منصب خلافت صفحہ ۱۳۵ ایڈ یشن اول سے بے تکلف تھا۔ ”اور دو دفعہ تکھنے تک مباحثہ کرتا رہتا تھا لیکن جب وہ غلیقہ ہو گئے تو بھی ان کے سامنے چوکڑی مار کر بھی نہیں بیٹھا کرتا تھا۔“ چوکڑی مار کر بیٹھنا یعنی دیے منوع تو نہیں ہے۔ یہاں میرے سامنے کئی دوست ہیں جو چوکڑی مار کر بیٹھتے ہوئے ہیں لیکن وہ ایک بڑی مجلس میں بیٹھتے ہوئے ہیں اور ان کے لئے ممکن نہیں کہ اپنی چوکڑی کی عادت کو جو آرام کی عادت ہے بدلتے ہیں لیکن اس لئے وہ بھی کسی غلط فہمی میں بتلانا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب ایثار کی بات کرتے ہیں تو بے حد باریک نظر سے گفتگو فرماتے ہیں۔ اگر باریک نظر سے آپ کی باقی کا مطالعہ نہ کیا جائے تو آپ کو صحیح پیغام مل ہی نہیں سکتا۔ ایثار کا مطلب ہے کچھ چھوڑنا اور اسے دوسرے کی طرف منتقل کرنا۔ یہ فقرہ کہ ”ایک حظ سے بے نصیب رہ کر دوسرے کو وہ حظ پہنچاتا ہے۔“ یہ ایثار کی تعریف میں لازم ہے۔ جو حظ آپ غیر کو پہنچا رہے ہیں اس سے خوب بے نصیب ہو رہے ہیں۔ مثلاً ایک دوست مہمان آتے ہیں آپ سے ملنے کے لئے تشریف لاتے ہیں، آپ اپنے یوں بچوں کو چھوڑ کر جتنی دیران کے پاس بیٹھ رہتے ہیں ایک حظ سے محروم ہو رہے ہیں۔ اور اس کے پاس بیٹھنے کے نتیجے میں اپنا حظ جو یوں بچوں میں آپ کو حاصل ہونا تھا وہ اس کو پہنچا رہے ہیں کہ اسے آپ کو ملنے کی خواہش ہے تو یہ حقیقی ایثار ہے۔

”آپ ایک حظ سے بے نصیب رہ کر دوسرے کو وہ حظ پہنچاتا ہے تاں طرح پر اپنے خدا کو راضی کرے اور اس کی اس صفت کا نام عربی میں ایثار ہے۔“ پھر فرمایا، ”ظاہر ہے کہ یہ صفت گو عاجزانہ کی صفات محدودہ میں سے ہے لیکن خدا کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی۔“ اب یہ پہلو بھی بتاہم ہے کہ اگرچہ ایثار انسان کو زیب دیتا ہے بلکہ ایثار بیب دیتا ہے کہ ایثار کے بغیر انسان کوئی روحانی ترقی کریں میں سکتا، خدا سے مل ہی نہیں سکتا اگر ایثار نہ ہو، لیکن یہ صفت محدودہ تھے، بتا پیاری اور قابل تعریف بحث ہے مگر خدا میں نہیں ہے کیونکہ خدا کو اپنا کوئی حظ چھوڑنا نہیں پڑتا۔ اس لئے جب بھی وہ بندے پر جھکتا ہے احسان سے جھکلتا ہے، ایثار سے نہیں جھکتا۔ اب یہ پہلو بھی بتاہیں ہی الطیف پہلو ہے جو بعض ایسی صفات میں خدا کو بندے سے ممتاز کر کے دکھاتا ہے جویا بخشن بندے میں ہو گلی یا بخشن خدا میں ہو گلی۔ اپنی اپنی جگہ دونوں قابل تعریف ہیں مگر ایک دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتیں۔ ان کے درمیان ایک دوسری حد فاصل ہے۔ اسے وہ صفات پر نہیں کر سکتیں۔

”لیکن خدا کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی کیونکہ نہ تودہ تواضع اور تذلل کی راہ سے کسی ترقی کا محتاج ہے۔“ اب انسان تو تواضع کرتا ہے اس لئے کہ اس کے نتیجے میں اسے ترقی ملتی ہے۔ وہ ترقی کیا ہے اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہونا۔ مگر اللہ کیوں تواضع کرے وہ تو کسی ترقی کا محتاج نہیں ہے۔ وہ تو ترقوں کا محتاج ہے۔ اسے کون کی اور ترقی کرنی ہے جس کی وجہ سے اس کو تواضع کرنا پڑے۔“ اور وہ اس کی جانب میں یہ تجویز کر سکتے ہیں کہ وہ دوسروں کو کسی قسم کا آرام پہنچانے کے لئے اس بات کا محتاج ہے کہ اپنے تینیں مصیبت میں ڈالے۔“ اب دیکھ لیں بندہ جب بھی کسی کو آرام پہنچانے کے لئے جب کوئی ایثار کرتا ہے تو لازماً اپنے آپ کو کچھ مصیبت میں ڈالتا ہے اور کیا چیز ہے جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام توجہ دلارہے ہیں کہ اللہ کسی کو آرام پہنچانے کی خاطر اپنے آپ کو مصیبت میں نہیں ڈالتا کیونکہ یہ اسکی شان کبریٰ کی خلاف ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ یہ بات ”قدرت تامہ اور نشانِ الوہیت اور جلالِ ازلی ابدی کے منانی ہے۔ اگر وہ اس قسم کی ذلت اور مصیبت اور محرومی اپنے لئے روا رکھ سکتا ہے تو پھر یہ بھی ممکن ہو گا کہ وہ اپنی خدا میں کی دوسرے کو بطور ایثار دے۔“

اب دیکھیں استدال کا کیسا پیدا رنگ ہے کہ ایثار میں تو آپ اپنی ایک چیز دوسرے کو دے دیتے ہیں آرام دیں یادو لت دیں اور منفعت بخش چیزیں عطا کریں۔ اپنی ایک چیز اپنے سے الگ کر کے دوسرے کو دیتے ہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے اس قسم کا ایثار ہو ہی نہیں سکتا۔ یعنی اس کی طرف منسوب کرنا بھی اس کی شدید گستاخی ہو گی کیونکہ پھر اس ایثار کے ساتھ وہ خدا غدارہ ہی نہیں سکتا۔ اس ایثار کا نتیجہ تو یہ ہے کہ ”یہ بھی ممکن ہو گا کہ وہ اپنی خدا میں کسی دوسرے کو بطور ایثار دے کر آپ معطل اور بے کار بیٹھ جائے یا اپنی صفات کاملہ دوسرے کو عطا کر کے آپ ان صفات سے بھیشہ کے لئے محروم رہے۔“

پس ایثار میں چیزوں کا دوسری طرف انتقال اس رنگ میں کرنا کہ آپ ان سے محروم رہ جائے یہ بنیادی بات ہے اور یہ بنیادی حقیقت ہے جس کو سمجھے بغیر آپ کو ایثار کے حقیقی معنے آہی نہیں سکتے۔ فرماتے ہیں، ”سوایا خیال خدا تعالیٰ کی جانب میں بڑی گستاخی ہے اور میں قول نہیں کر سکتا کہ کوئی خدا ترس، منصف مزان یہ ناقص حال میں خدا یعنی دوالخلال کے لئے پسند کرے گا۔ ہاں بلاشبہ یہ صفت ایثار جس میں نادراری اور لاچاری اور ضعف اور محرومی شرط ہے ایک عاجزانہ کی نیک صفت ہے کہ با وجد یکہ دوسرے کو آرام پہنچا کر اپنے آرام کا سامان اس کے پاس باقی نہیں رہتا پھر بھی وہ اپنے پر تختی کر کے دوسرے کو آرام پہنچا دیتا ہے۔“ (كتاب البرية روحانی خزانہ جلد ۱۲ صفحہ ۹۹۔۹۷) یہ ذرا لمبی عبارت تھی وقت کی مناسبت سے میں اس کو مختصر کر رہا ہوں۔

طبعی جوش ہو تو پھر آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کی بھی وہ ساری باتیں یاد آ جائیں گی کہ آپ کس طرح مہمان نوازی کیا کرتے تھے۔ دیکھنے والے کے لئے تکلیف ہوتی تھی لیکن آپ کو اس تکلیف میں ایک ایسا لذت کا احساس ملتا تھا جس میں آپ کی نظر خدا کی رضا پر پڑتی رہتی تھی اور عادتاً تھکتے تھے، عادتاً مہمان نوازی کرتے تھے اور اس کے لطف اٹھاتے تھے۔ بعض صحابہؓ کی روایت ہے کہ ہم نے دیکھا توہست تکلیف کی حالت میں، سردی میں سکرے ہوئے ایک کوٹ اوپر لیا ہوا اور کوئی بستر نہیں، کوئی آرام کا سامان نہیں۔ اور جب انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا تو مسکرا کر فرمایا کہ کوئی تکلیف نہیں مجھے بڑا آرام مل رہا ہے۔ کیونکہ سب کچھ مہمانوں کے آرام کے لئے باہر بیچ چکے تھے۔ اس بات میں آرام مل رہا تھا کہ مہمانوں کو آرام ہے تو اگر تکلیف ہو تو یہ کیفیت پیدا ہوئی نہیں سکتی۔ اگر اکساری گھری اور بچی سہ ہو تو نہ ممکن ہے کہ اس قسم کی تکلیف میں انسان مزہ اٹھا سکے۔ تو اپنی عادت میں یہ اکساری داخل کریں جو زندگی پر اس ساتھ دے گی اور اس دنیا ہی میں نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی کام آئے گی کیونکہ یہی اکساری ہے جو دورِ حقیقت انسان کو قربِ الہی بخشی ہے۔ اور یہی اکساری ہے جس کے نتیجے میں دنیا کا سب سے بڑا انسان حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نتیجے میں پیدا ہوئے۔ یعنی پیدا ہوئے سے مراد ہے آپ کو وجود کی خلعت بخشی گئی یعنی جو بوجوہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نتیجے سے اخراج ہے وہ وجود پیدا ہوا۔ میری مراد پیدا ہونے سے بچ کی پیدائش نہیں بلکہ ہر انسان میں سے ایک تخلیق نہ ہو اکرتی ہے۔ اس تخلیق نو کی میں بات کرتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایسی اکساری کے نتیجے میں پیدا ہوئے اور ایک بشر سے محمد رسول اللہ بن گئے۔ پس آپ کی بھی اپنی اپنی صلاحیتوں کے دائرے ہیں۔ ان دائروں سے باہر تو آپ جانیں سکتے مگر اگر اکساری کا حق ادا کریں اور آج کل اکساری سیکھنے کا بہت اچھا موقع ہے کیونکہ آج کل کے حالات میں تو میں جانتا ہوں کہ آپ کی اکساری آپ کو ضرور مزدہ تی ہے اور لطف اٹھا رہے ہیں مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ایک ہوا جعلی ہوئی ہے جیسے بہار کے موسم میں کائنے دار جھائیاں بھی پھول پھل لے آتی ہیں تو اس عام مہمان نوازی کے موسم میں بعید نہیں کہ وہ لوگ جو طبیعت کے نبتاب کرخت بھی ہیں وہ بھی میربانی کے مزے لوٹ رہے ہوں اور مہمانی کا حق ادا کرنے کے مزے لوٹ رہے ہوں۔

تجب کثرت سے ایسی باتیں دکھائی دیتی ہیں تو تجزیہ کرنا پڑتا ہے اور سب سے اچھا تجزیہ ہر انسان اپنا خود کر سکتا ہے کیا یہی رنگ آپ کا بعد میں بھی جاری رہتا ہے کہ نہیں۔ اگر ایثار طبیعت میں ہے تو اپنے گھروالوں سے بھی تو ایثار ہونا چاہئے، اپنی بیوی سے ایثار کا سلوک ہونا چاہئے، اپنے بچوں سے آپ ایثار کے مضمون کا مطالعہ کریں گے تو یہ بہت پھیلا ہوا مضمون دکھائی دے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صَدُورِهِمْ حَاجَةً جو بھی ان کی طرف بھرت کرتے ہیں، یہ انصار کا ذکر جل رہا ہے اُن سے اُن کے دلوں میں کوئی تھگی نہیں ہوتی اور ان سے اُن کی کوئی حاجت بھی وابستہ نہیں ہوتی اور جو کچھ ان کو ملتا ہے اس پر وہ حسد تو بہر حال محسوس نہیں کرتے مگر ان محسنوں میں رنگ بھی نہیں کرتے کہ ان کو بھی وہ ضرور مل جائے۔ اپنے بھائیوں کو جو خدا کی راہ میں بھرت کر کے آئے ان کو اتنا پیار سے دیکھتے ہیں، اس قدر اکسار سے ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں کہ ان کو جو کچھ بھی ملے اس پر یہ بھی خوش ہوتے ہیں گویا اپنے کو مل گیا۔ اور ان کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اپنی ضرورتیں کو قرآن کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایثار کی پچی گی تعریف ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔

ولو کانَ بِهِمْ خَصَاصَةً خَوَّاْتَنِیْہِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صَدُورِهِمْ حَاجَةً وَلَا یَجِدُونَ فِي صَدُورِهِمْ حَاجَةً جاتی ہے اور جب تھگی پڑتی ہے اور تھگی صرف اپنے کو ہی نہیں بلکہ یہی اور بچوں کو بھی تھگ کرتی ہے اس وقت کی جو مہمان نوازی ہے وہ گرے اکسار سے عطا ہو سکتی ہے ورنہ نہیں ہو سکتی۔ اس ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند اقتباسات میں نے پہنچنے ہیں جو آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور کو شش کرتا ہوں کہ ان کی تخریج کر سکوں جو آپ کا چھپی طرح سمجھ آئے۔ اس مضمون کو جس گرانی سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سمجھا ہے اسے دیکھ کر انسان کا دل عش عش کر اٹھتا ہے۔

فرمایا، ”ان جو کہ ناقص اور ثواب حاصل کرنے کے لئے اعمال صالحة کا محتاج ہے اسی لئے بھی وہ تواضع اور تذلل کے طور پر اپنے خدا کو خوش کرنے کے لئے اپنے آرام پر دوسرے کا آرام مقدم کر لیتا ہے اور آپ ایک حظ سے بے نصیب رہ کر دوسرے کو وہ حظ پہنچاتا ہے۔“ یعنی ایثار کی پچی گی تعریف یہ ہے کہ خدا اپنی خاطر، اپنے خدا کو خوش کرنے کے لئے، اپنے آرام پر دوسرے کا آرام مقدم کر لیتا ہے۔ یہ زندگی پھر کا معاملہ ہے اور آپ ایک حظ سے بے نصیب رہ کر، ایک لطف سے بے نصیب رہ کر دوسرے کو وہ لطف پہنچاتا ہے۔

اب جو لطف ہے اس میں دونوں پہلو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائے ہیں۔ ایک لطف اس نے دوسرے کے لئے مہیا کیا گرہ وہ ایسا لطف نہیں ہے جو مہیا کرے اور اپنے لطف میں کمی نہ آئے۔ اس لئے

اور کبھی ایک دن بھی، ایک رات بھی ایسی نہیں گزری جب میں نے آپ کو، خصوصاً جرمنی کی جماعت کو ان کے ایثار کی وجہ سے اپنی دعائیں یاد نہ رکھا ہو۔ ایک رات بھی ایسی نہیں گزرتی۔ مختلف حالتیں ہیں۔ کبھی سکون کے ساتھ وہ بائیں اللہ کے حضور عرض کرتا ہوں کہ ان بندوں کا خیال رکھو وہ تیری خاطری قربانی کر رہے ہیں پھر ان سے یقینار ہو کر اپنا چین کھو دیتا ہوں۔ مگر آپ کو یہ سمجھنا چاہتا ہوں کہ اس ایثار کو چھٹے رہیں، اس کو اپنی فطرت ثانیہ بنالیں اور اسی ایثار کے ساتھ سب قوموں کے ساتھ سلوک کریں کیونکہ میں امید رکھتا ہوں کہ یہ ایثار انشاء اللہ جرمی کے اندر رہنے والے جرمنوں اور غیر قوموں کے دل بدل دیں گے اور احمدیت کے لئے ان کے دلوں کی راہیں صاف ہو جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

”یہ بھی یاد رہے کہ انسان کی صفت ایثار اس شرط سے قابل تحسین ہے کہ اس میں کوئی بے غیرتی اور دیوثی اور اخلاف حقوق نہ ہو۔“ یہ ایک بست ہی اہم بنیادی بات ہے جس کو روزمرہ کی زندگی میں سمجھنا چاہئے۔ بے غیرتی اور دیوثی کا نام ایثار نہیں ہے۔ شماں چین میں بعض ایسے علاقے ہیں جہاں ایثار کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ انسان جو گھر میں آئے وہ گھر کا مالک اس طرح بنا دیا جائے کہ گھر کی بیوی بچوں وغیرہ پر بھی اس کو تصرف حاصل ہو۔ یہ وہ اشارہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اس کا نام ایثار نہیں ہے، دیوثی ہے۔ پس چونکہ وہ جمال لوگ خدا سے بے بہرہ ہیں اس لئے انہوں نے ایثار کا ایک ایسا نگہ اختیار کر لیا جس کا حقیقتی ایثار سے یا حیادواری سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔ اس بات کو پیش نظر کھتہ ہوئے اپنے گھروں میں مہمانی کیا کریں کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ گھر کا مہمان آگیا ہے بیوی بچوں سے پردہ ہی اتنا رہا جائے وہ بے تکلفی سے جمال چاہے پھرے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا گھر آپ کا گھر ہے اب آپ ہمارے گھر میں اس طرح رہیں جیسے اپنے گھر میں رہتے ہیں۔ اس کی وہ مثال جو میں نے بیان کی تھی وہ درست مثال ہے۔ بعض لوگ جو چاہتے ہیں کہ اپنا گھر سمجھ کر کوئی رہے وہ گھر ہی خالی کر دیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کیا کرتے کہ اپنے نفوس کے ساتھ آنے والے نفوس کو اس طرح ملا جلا دیں کہ ان کی حرمت کا احساس باقی رہے نہ اپنی حرمت کا احساس باقی رہے۔ اس قسم کے ایثار کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیوثی قرار دیا ہے کیونکہ بات کھولنے کا وقت نہیں نہ یہ مناسب ہو گا کہ اتنی بڑی مجلس میں جمال خواتین بھی سن رہی ہوں یہ باتیں کھول کھول کر بیان کی جائیں مگر اس کے نتیجے میں اس کو جس کو آپ ایثار سمجھ رہے ہوئے اس کے نتیجے میں اپنی جان، اپنی عزت اور خدا کی رضا کو تلف کر رہے ہوں گے۔ تو ایثار تو بندے میں تب زیب دیتا ہے کہ وہ خدا کے قریب کر رہا ہو۔ اگر خدا سے دور کر رہا ہو تو اسے کون احمق ایثار قرار دے گا۔

پس اپنے معاشرے کی حفاظت کریں اور جرمی کے باحول میں یہ حفاظت آپ سے ہمہ گیر تقاضہ کرتی ہے، ہمہ وقت تقاضہ کرتی ہے۔ اور اسی نیجت کے ساتھ اب میں چند منٹ تک اس خطے کو ختم کروں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ جو لمبی عبارت ہے اس میں سے یہ آخری حصہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ، ”ایثار سے مراد محض نفس کو تکلیف میں ڈالا ہرگز نہیں ہے۔ تکلیف میں اس صورت میں ڈالنا کہ اس سے بہتر فوائد حاصل ہوں اور اونی چیز قربان کر کے اعلیٰ چیز حاصل کر رہے ہوں۔“ آپ فرماتے ہیں کہ اگر صرف تکلیف میں ڈالنا، ایک خیال کے پیچھے تکلیف میں ڈالنا حقیقتی ایثار ہوتا تو پھر ایسے ہندو بھی ملتے ہیں جو بتوں کے سامنے کھڑے کھڑے اپنے بازو یا انگلیں سکھایتے ہیں یا بتوں کی خاطر اپنے بچوں کو قربان کر دیتے ہیں، زندہ بچوں کو گنگا میں بھادیتے ہیں مگر یہ حق تلفی ہے۔ یہ ایثار نہیں ہے۔ کیونکہ ایثار کے نتیجے میں آپ کو زیادہ سے زیادہ یہ حق ملتا ہے کہ آپ تکلیف اٹھائیں کسی کو خوش کرنے کے لئے، کسی دوسرے نفس پر آپ کو ہرگز اختیار نہیں ہے کہ اس کو زبردستی تکلیف پہنچائیں تاکہ کوئی اور آپ سے خوش ہو جائے۔ یہ فرق ہے جو ہندو فلسفے میں اور مسلمان فلسفے میں ہے۔ ورنہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب قربانی جب کرتے ہیں تو پچھے بھی تکلیف اٹھاتے ہیں مگر یہ مراد نہیں کہ پچھے کو مجبور کر کے اس گھاٹ میں غرق کر دیا جائے جمال وہ اپنے ہوش اور حواس کے ساتھ کبھی بھی غرق ہونا پسند نہ کرے۔

پس ایثار لازم ہے اور اسکے بغیر آپ کو مزید ترقیات نصیب نہیں ہو سکتیں۔ مگر ایثار کو اپنی زندگی کا ایک لازمی حصہ بنالیں گویا وہ آپ کی سرشت ہو جائے اور اس سرشت کے ساتھ آپ کو تمام جرمن قوم سے تعلق رکھنا چاہئے اور تمام ان قوموں سے تعلق رکھنا چاہئے جو اس ملک میں آکر آباد ہوئی ہیں۔ یہ ایثار ہی ہے جو آپ کے رستے صاف کرنے کی توفیق بخشنے گا۔ ایثار کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آپ کو غیر قوموں کے دلوں میں گھر کرنے کی توفیق بخشنے گا، ان کو اپنانے کی توفیق بخشنے گا۔ وہ جو بے گھر ہیں ان کو گھر میا کرنے کی توفیق

بخشنے گا مگر اپنی عزت اور احترام کی قربانی کے بغیر۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ آپ کی جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو ایثار کے بہت نمونے دکھار ہیں ایسے نمونے کہ ان کے متعلق سوچ کر بعض دفعہ میرے دل سے آنسوؤں میں بھیگی ہوئی دعائیں اٹھتی ہیں۔ میں جب تصور کرتا ہوں تو عش عش کرا اٹھتا ہوں۔ سجان اللہ، اللہ نے کیسے کیسے پیارے وجود قائم کے ہیں اور واقعہ ان کے ایثار کے تصور سے میری آنکھیں بھیگ جاتی ہیں کیونکہ یہ غبار دل سے اٹھ رہے ہوتے ہیں۔